غم آشنا

شاکر کریمی

گنج نمبر1، بتیا(بہار)،موبائل: 09931068612

فجر کی نماز میں شاہد کو نہ دیکھ کر اقبال احمد سوچنے لگے، کیا وجہ ہوسکتی ہے شاہد کے مسجد نہ آنے کی۔ رات نو بجے تک تو ہم ساتھ ہی تھے۔ بالکل ٹھیک تھا۔ پھر خود کو تسلّی دی۔ ہوسکتا ہے گہری نیند آ گئی ہو۔

اقبال احمد اور شاہد پڑوسی تھے اور دوست بھی۔ ایک دوسرے کے ہمدرد، غمگسار۔ فرصت کے اوقات میں دونوں ساتھ رہتے۔ کبھی اقبال احمد کے گھر تو کبھی شاہد کے گھر۔ فجر کی نماز کے بعد دونوں صبح کی سیر کے لیے چندراوت ندی کے کنارے تک جاتے۔ یہ روز کا معمول تھا۔ مسجد سے نکل کر اقبال احمد تنہا ہی ندی کے کنارے تک جانے لگے۔ پھر سوچا، کیوں نہ شاہد کو دیکھ لوں، اب جاگ گیا ہوگا۔ راستہ ہی میں تو ہے اُس کا گھر۔

چار سیڑھیاں طے کر کے اقبال احمد نے شاہد کے گھر کے دالان میں قدم رکھا تو انھیں گھر میں داخلے کا دروازہ کھلا نظر آیا۔ انھوں نے آواز دی، شاہد....شاہد....شاہد، اور تب ہی انھیں کراہنے کی آواز سنائی دی۔

پورا گھر اقبال احمد کا دیکھا ہوا تھا۔ تین افراد پر مشتمل اس مختصر فیملی میں کوئی ایسا نہ تھا جو اُن سے پردہ کرتا۔ وہ اندر داخل ہوئے تو اُن کی نظر فرش پر پڑے شاہد پر پڑی۔ وہ چیخ پڑے شاہد، وہ جھکے شاہد کو دیکھا۔ سر کے پچھلے حصّہ سے خون بہہ کر فرش پر جم گیا تھا۔ سانسیں چل رہی تھیں، ہونٹ متحرک تھے، جیسے بولنا چاہتے ہوں پر بول نہ سکتے ہوں۔ انھوں نے انگلی اُٹھائی۔ اندر کی طرف اشارہ کیا۔ اقبال احمد کو معلوم تھا کہ شاہد کی بیوی رضیہ خاتون اور بیٹی نوری کس کمرہ میں رہتی ہیں۔ وہ اُدھر لپکے۔ اس کمرہ کا بھی دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ اندر داخل ہوئے۔ رضیہ خاتون کو بھی اسی حالت میں پایا جس حالت میں وہ شاہد کو دیکھ چکے تھے۔ ان کے بھی سر کے پچھلے حصّہ سے خون بہہ کر فرش پر جم گیا تھا اور پلنگ پر نوری بے ہوش پڑی تھی۔ نیم برہنہ، اقبال احمد نے پلنگ کی خون آلود اور پُرشکن چادر کا ایک کونہ پکڑا اور نوری پر ڈال دیا۔

اقبال احمد نے پورے کمرے پر نظر ڈالی۔ ہر طرف ابتری پھیلی ہوئی تھی۔ پلنگ کے سرہانے.....بڑی الماری کے دونوں پٹ کھلے ہوئے تھے۔ الماری کے اندر کا لاکر بھی کھلا تھا، کی ہول سے کنجیاں لٹک رہی تھیں اور الماری خالی تھی۔ روزانہ استعمال کے کچھ کپڑے فرش پر بکھرے ہوتا تھے۔

اقبال احمد نے نوری کے چہرہ کو دیکھا۔ چہرے پر کئی خراشیں تھیں۔ بوند بوند خون رس کر خشک ہوگیا تھا۔ نوری کی سانسیں چل رہی تھیں۔ ہر طرف شراب کی ناگوار بو پھیلی ہوئی تھی۔

اقبال احمد پلٹ کر باہر آئے تو دیکھا۔ شاہد دونوں ہتھیلیاں فرش پر جمائے بیٹھے ہیں۔ انھوں نے شاہد کے شانوں پر ہاتھ رکھا۔

میرے بھائی ہمت سے کام لو، بیٹھے رہو، اُٹھو مت، میں فیض اور اُس کی ماں کو بلواتا ہوں!

اقبال احمد گھر سے باہر نکلے تو اُن کی نظر موہن پر پڑی جو منہ میں مسواک دبائے، بالٹی لیے نل کی طرف جا رہا تھا۔ انھوں نے آواز دی، موہن، موہن ان کی طرف پلٹا۔ کیا ہے چاچا جی؟

موہن، میرے گھر جاؤ۔ فیض اور اُس کی ماں کو جلد یہاں آنے کو کہو۔ شاہد کے گھر ڈکیتی ہوئی ہے! اقبال احمد کا گھر قریب تھا۔ موہن دوڑ پڑا۔

فیض اور اُس کی ماں کے آنے میں دیر نہیں لگی۔ اقبال احمد نے فیض سے کہا۔

جاؤ، کار لے کر جلدی آؤ اور کسی کو راجندر جی اور مشرا جی کے یہاں بھیج دو کہ وہ بھی اپنی کار لے کر آ جائیں۔ تینوں کو اسپتال لے جانا ہوگا۔

اقبال احمد نے اپنی بیوی سے کہا۔ شاہد کی بیوی کے کمرہ میں جایئے۔ وہ بھی فرش پر بے ہوش پڑی ہیں اور نوری بھی۔ آپ نوری کے کپڑے بدل دیں ہینگر پر اس کے کپڑے ہیں۔ جسم پر جو کپڑے ہیں وہ چیتھڑوں میں تبدیل ہوگئے ہیں۔ نیم برہنہ ہے!

اقبال احمد نے وقت ضائع کیے بغیر مفصل کے تھانہ انچارج کو اپنے موبائل سے فون کیا....صورتِ حال سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ آپ شاہد کے گھر آئیں۔ اپنی انکوائری پوری کریں۔ میں تینوں کو لے کر اسپتال جا رہا ہوں۔ تینوں خطرہ میں ہیں!

دیکھتے ہی دیکھتے شاہد کے گھر کے سامنے لوگوں کی بھیڑ اکٹھی ہوگئی۔ جیسے پورا قصبہ امنڈ آیا ہو۔ اقبال احمد نے اپنے کارندوں کو ہدایت کی کہ گھر کے اندر کسی کو جانے نہ دیا جائے۔ پولیس آرہی ہے، پولیس کی انکوائری تک جو چیز جہاں ہے وہیں رہے گی!

آگے پیچھے تین کاریں شہر کی طرف تیزی سے جانے لگیں اور کاروں کے پیچھے موٹر سائیکلوں اور سائیکلوں کی بھی قطاریں لگ گئیں۔

صدر اسپتال کے طول اور کشادہ پورٹیکو میں تین کاریں ایک ساتھ رُکیں تو ڈاکٹروں، نرسوں اور وارڈ بوائز متحرک ہوگئے۔ شاہد اور ان کی بیوی رضیہ کو آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا اور نوری لیڈی ڈاکٹر چندرا سنہا کے سپرد کی گئی۔

ایک گھنٹہ بعد ڈاکٹر پرساد آپریشن تھیٹر سے باہر آئے تو کہا۔ دونوں خطرہ سے باہر ہیں۔ سر سے بہت زیادہ خون نکل گیا ہے اس لیے خون دینا ہوگا اور اس کا بھی خیال رکھا جائے گا کہ قے ہوتی ہے یا نہیں اور یہ کہ چوٹ نے دماغ پر کیا اثر ڈالا ہے اور یہ دوائیں چلتی رہیں گی! ڈاکٹر پرساد نے نسخہ لکھ کر اقبال احمد کو دے دیا۔

اب لیڈی ڈاکٹر چندرا سنہا کی رپورٹ کا انتظار تھا۔ نصف گھنٹہ بعد ڈاکٹر چندرا سنہا آئی تو اُس نے اقبال احمد کو بتایا۔

جہاں سرجری کی ضرورت تھی سرجری کردی گئی ہے، احتیاط کے طور پر اندر باہر صفائی ستھرائی بھی کردی گئی ہے تاکہ آئندہ کوئی خدشہ نہ رہے۔ رہی ہوش میں آنے کی بات تو دو تین گھنٹوں میں ہوش آجائے گا۔ شراب کا نشہ بھی اُتر جائے گا!

اقبال احمد متحیر ہوئے۔ ڈاکٹر صاحبہ یہ شراب..... یہ نشہ؟

کوئی بڑی بات نہیں۔ کسی کو بھی بے بس کر کے اُس کے منہ میں بوتل ڈال کر شراب اس کے حلق میں انڈیلی جاسکتی ہے۔ یہی ہوا ہے بے چاری اس لڑکی کے ساتھ!

اقبال احمد، ان کی بیوی اور بیٹے فیض نے تیمارداری کی حد کردی۔ ایک ایک پل مریضوں کا خیال رکھنے لگے۔ فیض نے تو اسپتال ہی میں ڈیرہ ڈال دیا تھا۔ ہوش میں آنے کے بعد نوری فیض سے نظریں نہیں ملا رہی تھی۔ فیض کے کسی سوال کے جواب میں نظریں نیچی کیے ہوں، ہاں کے سوا کچھ نہ کہتی۔ اُس کے چہرے پر حزن و ملال کے سوا کچھ نہ تھا۔ آنکھیں مسلسل برستی رہتی تھیں۔ فیض کے سمجھانے اور دلاسہ دینے کا کوئی اثر نہ تھا اُس پر۔ حزن و ملال کی یہی کیفیت شاہد اور رضیہ خاتون پر بھی طاری تھی۔ اقبال احمد نے دلاسہ دیتے ہوئے سمجھانے کی کوشش کی۔ حادثات اور سانحات تو انسانوں کی زندگیوں میں آتے رہتے ہیں۔ جو کچھ ہوا ایک حادثہ ہی تھا جو گزر گیا۔ میں تم تینوں کی دلی کیفیت کو سمجھ رہا ہوں۔ مجھے بھی کم صدمہ نہیں ہے، لیکن بہتر یہی ہے کہ جو کچھ ہوا اُسے بھول جانے اور تازہ دم ہونے کی کوشش کی جائے۔ نوری پہلی لڑکی نہیں ہے۔ سیکڑوں ایسی لڑکیاں ہیں جو درندگی کا شکار ہو چکی ہیں اور بے بسی کی زندگی گزار رہی ہیں۔

ہوش میں آنے کے بعد تینوں نے پولیس کو بیان دیا۔ شاہد نے بتایا۔

رات کا پچھلا پہر تھا۔ دروازے پر دستک ہوئی میرے پوچھنے پر کون ہے، تو جواب ملا۔ شاہد چاچا۔ جلدی چلئے اقبال چاچا کو ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔ میں کیسے دروازہ نہیں کھولتا۔ دروازہ کھولتے ہی میرے سامنے جو تھا اس نے مجھے دھکّا دیا۔ میں لڑکھڑا کر تین چار قدم پیچھے چلا گیا۔ پھر دو اور آگئے۔ ایک میرے پیچھے آیا اور میرے سر کے پچھلے حصّہ پر لگنے والی ضرب اتنی کاری تھی کہ میری آنکھوں کے سامنے تارے ناچ گئے اور پھر مجھے یاد نہیں کیا کیا ہوا۔ تینوں نے اپنے چہرے چھپا رکھے تھے۔ رضیہ خاتون کا بھی بیان ایسا ہی تھا اور نوری کا بیان دردناک دل خراش.....!

دس دنوں بعد..... اسپتال سے چھٹی مل گئی۔ ڈاکٹروں کے مطابق تینوں بالکل ٹھیک تھے، لیکن ڈاکٹروں کو کیا پتہ کہ تینوں جس ذہنی مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں اس کا علاج ڈاکٹروں سے ممکن نہیں۔ تینوں کے گھر آجانے کے بعد بھی اقبال احمد اُن کی طرف سے غافل نہیں ہوئے۔ زیادہ تر وقت اُن کی دلجوئی میں گزارتے رہے۔ فیض بھی اُن کی طرف سے غافل نہ ہوا۔ اُسے نوری کی زیادہ فکر تھی جو ہمہ وقت اُداس، مضمحل اور خاموش اپنے کمرے میں پڑی رہتی تھی۔ نوری کی اس کیفیت نے فیض کی ساری خوشیاں، ہونٹوں کی مسکراہٹ، آنکھوں سے زندگی کی بھرپور چمک چھین لی تھی۔ وہ بھی ملول اور غمزدہ رہنے لگا تھا۔

دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ گزر گیا۔ شاہد، رضیہ خاتون اور نوری کی حالت میں کوئی فرق نہیں آیا۔ وہی ہر لمحہ اُداس، غمزدہ اور ملول۔ شاہد کو تین لاکھ روپے نقد، نوری کی شادی کے لیے بنوائے اور خریدے ہوئے زیورات اور قیمتی ملبوسات کی فکر نہیں تھی۔ انھیں تو صرف اور صرف نوری کی فکر تھی۔

ایک دن—! اقبال احمد نے شاہد سے کہا۔ تمھیں اپنے سالے سے بات کرنی چاہیے۔ اُن سے کہیے کہ شادی کی تاریخ مقرر کردیں!

شاہد کی آنکھیں نم ہوگئیں۔ اقبال احمد گھبرا گئے۔ انھوں نے کوئی ایسی بات تو نہیں کہہ دی۔ وہ پھر شاہد سے مخاطب ہوئے۔ اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ نوری اور اُن کے بیٹے کا رشتہ تو برسوں پہلے طے ہو چکا ہے۔ وہ تمہاری عیادت کے لیے اپنی فیملی کے ساتھ اسپتال میں آئے تھے تو

انھوں نے کہا تھا بیٹے نے انجینئرنگ کی تعلیم پوری کرلی ہے۔اب جلد ہی اس کی شادی کریں گے۔

شاہد نے خود کو سنبھالا، کہنے لگے۔

قریب ایک ہفتہ قبل میرے سالے نے فون کیا تھا۔میری اور اپنی بہن کی خیرت دریافت کی تھی اور شادی میں آنے کو کہا تھا!

کس کی شادی؟ اقبال احمد متحیر ہوئے!

اپنے انجینئر بیٹے کی شادی۔انھوں نے کہا بیٹے کی شادی طے ہوگئی ہے۔اسی ماہ کی پچیس تاریخ کو برات جائے گی۔شادی میں آپ اور رضیہ ضرور آئیں گے۔نوری کو مت لائیے گا۔وہ میرے یہاں آئی تو تماشہ ہوکر رہ جائے گی! شاہد کی آنکھیں پھر چھلک پڑیں۔

تم روؤ مت شاہد۔تم روتے ہو تو میرا کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔تم نے کہا نہیں کہ نوری اور تمہارے بیٹے کی شادی تو برسوں قبل طے ہوچکی تھی اور اب تم اپنے بیٹے کی شادی کہیں اور کررہے ہو!

شاہد نے آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کہا۔کہا تھا۔اُس نے جواب دیا۔اب نوری اِس قابل نہیں رہی کہ میری بہو اور میرے انجینئر بیٹے کی بیوی بن سکے!

حیرت ہے، تمہارے سالے نے یہ نہیں سوچا نوری اُن کی سگی چھوٹی بہن کی بیٹی ہے، کیسی رشتہ داری ہے یہ!

شاہد بھڑک اُٹھے۔کیسی رشتہ داری، میں خاک ڈالتا ہوں ایسی رشتہ داری پر۔میرے رشتہ دار تو تم ہو جو میرے دُکھ کو اپنا دُکھ، میرے غم کو اپنا غم سمجھتے ہو۔مجھے تو نوری کی فکر کھائے جارہی ہے۔کیا ہوگا میری معصوم بچی کا! شاہد کا لہجہ غم انگیز تھا۔

ٹھیک ہی کہتے ہو۔نوری کل بھی معصوم تھی آج بھی معصوم ہے، کل بھی بے عیب تھی آج بھی بے عیب ہے اور مظلوم بھی ہے اور مظلوم کے لیے دلوں میں نفرت نہیں ہمدردی ہونی چاہیے، صرف ہمدردی! اقبال احمد بہت سنجیدہ تھے۔

اور آج مہینوں بعد— شاہد ہشاش بشاش نظر آئے، چہرے پر طمانیت تھی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ....

اقبال احمد نے گرم جوشی سے اُن کا استقبال کیا۔پلنگ پر اپنے پاس بٹھالیا۔

آج خوش نظر آرہے ہو، کوئی خاص بات؟ اقبال احمد بھی مسکرانے لگے۔

ہاں، آج میں خوش ہوں۔میری بیٹی نے مجھ سے بات کی۔کہنے لگی، ابّو، میرے اچھے اچھے کپڑے تو ڈاکو لے گئے۔دو تین جوڑے سلوادیں۔آج ہی شہر جاؤں گا بیٹی کے لیے کپڑے لینے!

ارے، تم اکیلے کیوں جاؤ گے۔میں بھی چلوں گا۔دو تین جوڑے کیوں دس بارہ جوڑے سلیں گے! اور پھر—!

اقبال احمد نے سائیڈ ٹیبل پر رکھی ایک کتاب کے نیچے سے ایک تصویر نکالی۔شاہد کی طرف بڑھاتے ہوئے بولے۔دیکھو تو کیسی تصویر ہے یہ!

شاہد نے تصویر لے لی۔غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔اچھی ہے، بہت اچھی۔کون ہے یہ؟

شہر کے ایک معزز گھرانے کی لڑکی ہے۔عظیم الدین نام ہے اس کے والد کا۔میں انھیں جانتا ہوں، وہ بھی مجھے جانتے ہیں۔کل شام اُن کا خاص آدمی شادی کا پیغام لے کر آیا تھا۔یہ تصویر دے گیا ہے۔وہ ایک دو روز میں پھر آئے گا۔میری مرضی جاننے! اقبال احمد سنجیدہ تھے۔

عظیم الدین صاحب اچھے ہیں، اُن کا گھرانہ بھی اچھا اور ماشاءاللہ لڑکی بھی اچھی ہے۔کیا فیصلہ کیا تم نے میں تو یہی کہوں گا ہاں کہہ دو اور جلد ہی فیض کی شادی کردو۔اپنی خوشی میں ہمیں بھی شامل کرلو! شاہد کی مسکراہٹ اور واضح ہوگئی۔

ہاں، جلد ہی کروں گا اپنے بیٹے کی شادی۔بہت دھوم دھام سے کروں گا۔بہت شور شرابہ ہوگا شادی میں۔پورے قصبہ کو مدعو کروں گا۔باجے گاجے کے ساتھ برات نکلے گی۔آتش بازیاں بھی چھوٹیں گی۔قوالی کی محفل بھی آراستہ ہوگی، دل کھول کر خرچ کروں گا۔برسوں یاد رکھیں گے قصبہ والے اس شادی کو— لیکن— لیکن شاہد ایک خیال مجھے پریشان کیے رہتا ہے! اقبال احمد فسردہ نظر آنے لگے۔

تم بھی عجیب آدمی ہو۔ابھی خوش تھے، خوشی کا اظہار کررہے تھے۔پھر یہ اُداسی، یہ پریشانی، کیسی پریشانی! شاہد حیرت سے اقبال احمد کو دیکھ رہے تھے۔

اقبال احمد نے لمبی سانس لی، شاہد کے بائیں شانہ پر اپنا داہنا ہاتھ رکھا۔شاہد کی طرف غور سے دیکھتے ہوئے اطمینان سے بولے۔

شاہد تم مجھے بتاؤ۔اگر میں اپنے بیٹے فیض کی شادی کہیں اور کردوں تو پھر....تو پھر نوری کا کیا ہوگا؟

شاہد پر سکتہ کی سی کیفیت طاری ہوگئی۔وہ حیرت و استعجاب کا مجسمہ بنے اس طرح اقبال احمد کو دیکھنے لگے جیسے اُن کے سامنے ایک انسان نہیں فرشتہ ہو!!

◆◆◆